محمد رشید

استعماریات اور شبلی کی سیرت نگاری

ایک ناقدانہ جائزہ

"استعماریات اور شبلی کی سیرت نگاری" جناب نادر عقیل انصاری کا مضمون ہے، جس میں انہوں نے علامہ شبلی مرحوم کی تصنیف "سیرت النبی ﷺ" کا تفصیلی تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔

فاضل مضمون نگار نے علامہ شبلی کی سیرت نگاری پر دو درجن سے زائد اعتراضات وارد کیے ہیں۔ ان اعتراضات کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

پہلی قسم کے اعتراضات میں وہ اعتراض شامل ہیں جو ہمارے نزدیک فاضل مضمون نگار کسی نہ کسی حد تک ثابت کر سکے ہیں۔

جب کہ دوسری قسم کے اعتراضات وہ ہیں جو زیر بحث مضمون کے مندرجات میں ثابت نہیں کیے جا سکے۔ لہٰذا ان دوسری قسم کے اعتراضات کی حیثیت صرف الزامات کی ہے جو ہنوز اپنے ثبوت کی تلاش میں ہیں۔ چناں چہ ہماری اس بحث میں جناب نادر عقیل انصاری کے مضمون کا احاطہ درج ذیل دو نکات کی صورت میں کرنے کی کوشش کی گئی ہے:

الف: دلائل سے آراستہ اعتراضات

ب: دلائل سے عاری اعتراضات/الزامات

ان ہر دو اعتراضات کی تفصیل میں جانے سے پہلے ہم فاضل مضمون نگار کے ایک پسندیدہ اصول کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں، جو ان کے مضمون میں محوری اور مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔ فاضل مضمون نگار رقم طراز ہیں:

جنوری ۱۹۴۳ میں ندوی صاحب نے رسالہ "معارف" میں ایک تحریر بہ عنوان "رجوع و اعتراف" شائع کی جس میں اپنی ان تمام آرا سے رجوع کرنے کا اعلان کیا جہاں انہوں نے اسلاف سے الگ راستہ اختیار کیا تھا۔ علی گڑھ کی پیروی میں دارالعلوم ندوہ کو ماڈرن اسلام کا ایک اور مرکز بنانے کے سلسلے میں شبلی کی کوششیں اسی دم خاک میں مل گئیں جب ان کے سید التلامذہ نے ان کی فکر سے رجوع کیا۔[1]

اس اقتباس سے فاضل مضمون نگار کس اصول کی طرف ہماری راہ نمائی کرنا چاہ رہے ہیں اور یہ کہ کیا یہ رویہ علمی دنیا میں قابل عمل بھی ہے کہ نہیں؟ اس پر اس مضمون کے آخر میں کلام کیا جائے گا۔

الف: دلائل سے آراستہ اعتراضات

۱۔ احادیث صحیحہ کو کتب سیرت پر ترجیح دینے کے اصول کی خلاف ورزی

فاضل مضمون نگار لکھتے ہیں کہ شبلی نے مقدمے میں کہا تھا کہ انہوں نے "احادیث صحیحہ کے سامنے کتب سیرت کی روایتیں نظر انداز کر دی ہیں"۔ فاضل مضمون نگار کا اعتراض یہ ہے کہ علامہ شبلی نے کئی مقامات پر اپنے اس اصول کی پاس داری کی ہے لیکن کئی مقامات پر اس اصول کو توڑا بھی ہے۔ مثال کے طور پر انہوں نے علامہ شبلی کا یہ موقف پیش کیا کہ بخاری و مسلم کے مطابق ابو طالب کی موت کفر پر ہوئی لیکن ابن اسحاق کی روایت خاتمہ بالایمان کے حق میں ہے۔ علامہ شبلی نے ابن اسحاق کی روایات کو صحیحین کی روایات پر ترجیح دی۔ اس طرح علامہ شبلی نے اپنے ہی اصول کو توڑا ہے۔

۲۔ ابتدائے وحی پر مبنی صحیح روایات پر اعتراض

مستشرقین کی طرف سے مسلمانوں کے نبی ﷺ کی نبوت کے انکار اور رسالت محمدی ﷺ کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے بخاری و سیرت اور صحاح کی ان روایات کو نشانہ بنایا گیا جن میں نبی اکرم ﷺ کی سب سے پہلی وحی کا تذکرہ ہے۔ علامہ شبلی نے اس کا خلاصہ ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

حدیثوں میں ہے کہ جب آپ نے پہلی دفعہ حضرت جبریل کو دیکھا تو کانپتے ہوئے گھر میں تشریف لائے اور حضرت خدیجہ سے کہا کہ مجھ کو اپنی جان کا ڈر ہے۔ بخاری کتاب التعبیر

۱۔ انصاری، ڈاکٹر نادر عقیل۔ استعماریات اور شبلی کی سیرت نگاری۔ سہ ماہی جی۔ جولائی، اکتوبر ۲۰۱۲

میں روایت ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو پہاڑ پر سے گرادینا چاہا۔ طبری میں ہے کہ آپ کو خیال ہوا کہ میرے حواس میں فرق آگیا ہے۔ حضرت خدیجہ نے کہا کہ نہیں، خدا آپ کو ضائع نہیں کرے گا۔ پھر وہ آپ کو ورقہ کے پاس لے گئیں۔ ورقہ نے آپ کا بیان سنا اور آپ کو تسکین دی۔ [۲]

فاضل مضمون نگار کا یہ اعتراض بالکل صحیح ہے کہ علامہ شبلی نے ان صحیح روایات کو تنقید کا نشانہ بنایا اور ان کی صحت پر اشکالات وارد کیے۔ اگرچہ علامہ شبلی کی نیت سیرت کا دفاع کرنے کی تھی اور مستشرقین کا حملہ اتنا زوردار اور اچانک تھا کہ کو سنبھلنے کے لیے وقت درکار تھا۔ اہل علم کی بڑی اکثریت تو خاموش ہی رہی علامہ شبلی جیسے اگر کچھ صاحبان درد مقابلے کے میدان میں کھڑے بھی ہوئے تو وہ بھی اس دفاع کے دوران ٹھوکریں اور زخم کھانے سے اپنے آپ کو نہ بچا سکے۔ حیرت کی بات ہے کہ جن بنیادوں پر مستشرقین کے اعتراضات نے شبلی جیسے صاحب علم مسلمان کے ذہن میں شدید خدشات اور معذرت خواہانہ رویہ کو تشکیل دے ڈالا تھا، آج ایک سو سال بعد انہیں بنیادوں پر برطانوی نژاد امریکی مصنفہ لیزلی ہزلٹن نبی اکرم ﷺ کی نبوت کا زبردست دفاع کرتی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ پر مصنفہ کی ایک کتاب The First Muslim کے نام سے بہت مشہور ہوئی ہے۔ انٹرنیٹ پر اس مصنفہ کی وڈیوز بھی دست یاب ہیں۔ لیزلی ہزلٹن اپنے ایک لیکچر میں نبی اکرم ﷺ کی پہلی وحی پر نبی اکرم ﷺ کے ردعمل (جو کہ صحیح احادیث میں درج ہے) پر اپنا تبصرہ ان الفاظ میں پیش کرتی ہیں:

> خواہ آپ اس رات جو الفاظ محمد ﷺ نے سنے انہیں ان کے تخیل کا کرشمہ سمجھیں یا کسی بیرونی طاقت کی آواز، جو بات واضح ہے وہ یہ کہ انہیں واقعی یہ تجربہ ہوا، اور اس قدر طاقت سے ہوا کہ جس نے انہیں اور ان کے اردگرد کی دنیا کو تبدیل کر کے رکھ دیا اور ایک شرمیلا سا انسان سماجی و اقتصادی انقلاب کا انقلابی وکیل بن کر ابھرا۔ بلاشبہ خوف ان کا پہلا ردعمل تھا اور یہی واحد فطری ردعمل ہو سکتا تھا، واحد انسانی ردعمل۔

کچھ لوگوں جیسا کہ قدامت پسند مسلمان علما کے نزدیک شاید یہ ردعمل ضرورت سے زیادہ انسانی ہے، کیوں کہ وہ آپ ﷺ کے اپنی جان لینے کا ارادہ رکھنے کا ذکر بھی کیا جانا پسند

۲۔ نعمانی، علامہ شبلی۔ سیرۃ النبی، لاہور: مکتبہ اسلامیہ: ص ۱۵۶

نہیں کرتے، حال آں کہ یہ ابتدائی روایات میں محفوظ ہے۔ وہ اصرار کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک لمحے کے لیے بھی شک نہیں ہوا تھا، افسردگی یا مایوسی تو رہی دور کی بات۔ کاملیت چاہتے ہوئے وہ انسانی نفسیات کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔ مگر آخر اس میں غیر کامل کیا ہے؟ میں نے جب وہ واقعات پڑھے تو مجھے احساس ہوا کہ محمد ﷺ کا وہ شک ہی تھا جس نے میرے سامنے انہیں زندہ جاوید کر دیا، مجھے انہیں مکمل طور پہ دیکھنے کا موقع دیا اور مجھے ان کی سچائی پہ اعتبار دیا- اور جتنا میں سوچتی چلی گئی اتنا ہی ان کے شک کرنے کی وجہ مجھے سمجھ آتی چلی گئی، کیوں کہ شک ایمان کا لازمی جز ہے۔

لیزلی ہزلٹن نے نبی اکرم ﷺ کی پہلی وحی پر اپنی کتاب میں تفصیل سے کلام کیا ہے۔ [۳]

کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ ایک سو سال پہلے کی فضا میں مستشرقین کے حملوں کے مقابل علامہ شبلی بھی ابتدائے وحی کے ردعمل پر مبنی جن صحیح احادیث پر اپنے شکوک کا اظہار کرنے بیٹھ گئے جب کہ ٹھیک ایک سو سال بعد عالم مغرب ہی کی ایک غیر مسلم مصنفہ ان ہی روایات کی بنیاد پر نبی اکرم ﷺ کی سچائی کو تسلیم کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پا رہی ہیں۔ اس کے علاوہ بعض دیگر روایات پر بھی علامہ شبلی نعمانی نے مستشرقین کے اعتراضات سے بچنے کے لیے کر معذرت خواہی اور شکوک کا اظہار کیا ہے۔

۳۔ فتح مکہ کے موقع پر بعض معاندین کے ہر صورت قتل کا حکم

فاضل مضمون نگار نے جناب ظفر احمد صدیقی کے مقالے کے حوالے سے بالکل صحیح اعتراض وارد کیا ہے کہ علامہ شبلی نے فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کے حکم، کہ بعض معاندین اسلام کو ہر صورت قتل کر دیا جائے، کی صحت پر اعتراض کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر امن عام کا اعلان فرمایا تھا، لیکن بعض لوگ، جن کی تعداد میں اختلاف ہے، اس امن عام سے مستثنیٰ قرار دیے گئے تھے اور ان کے بارے میں آپ ﷺ کا حکم تھا کہ جہاں ملیں قتل کر دیے جائیں۔ لیکن مولانا شبلی کے لیے اس کا اثبات کرنے میں بھی ندامت کا پہلو تھا کہ یہاں مستشرقین کی جانب سے اسلام پر جہاد وقتال اور خونریزی کا الزام انہیں پریشان کر دیتا ہے۔ علامہ شبلی نے غلط طور پر ابوداؤد کی حدیث ذکر کرنے کے بعد اس پر جرح کر کے اس کی سند پر اعتراض کیا ہے۔ ظفر احمد صدیقی کے مقالے میں دلیل سے واضح

---

3. Hazleton, Lesley. The First Muslim. Newyork, Riverhead Books, 2013: P 104-117.

کیا گیا ہے کہ ابوداود کی جس روایت کو علامہ شبلی نے بے سند ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، ان کا استدلال بالکل غلط ہے۔ مزید برآں یہی روایت طبرانی میں بھی ہے اور طبرانی نے اس پر یہ تبصرہ بھی کیا ہے کہ رجالہ ثقات

۴۔ ابراہیم علیہ السلام کی تعبیر پر شبلی کا نقد

فاضل مضمون نگار نے علامہ شبلی پر یہ اعتراض بھی بالکل دلیل اور ثبوت کے ساتھ وارد کیا ہے کہ علامہ شبلی نے لکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس خواب کو عینی خیال کیا اور بعینہ اس کی تعمیل کرنی چاہی گو یہ خیال اجتہادی غلطی تھی۔(۴) حال آں کہ قطعی دلائل سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے خواب میں اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا جو حکم الٰہی پایا اس پر بے چون و چرا عمل کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی شان دار الفاظ میں تحسین کی گئی۔ علامہ شبلی کی رائے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے شان دار الفاظ میں تحسین حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حسن نیت کی وجہ سے ہوئی۔(۵) علامہ شبلی الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لیے خطائے اجتہادی کے جس امکان کا اظہار کیا ہے اس میں بھی وہ آں جناب کی حسن نیت کو خاص طور پر بیان کرتے ہیں اور اسی حسن نیت ہی کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے شان دار تحسین کا تذکرہ کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ نہ صرف علامہ شبلی ہی نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے خواب کو تمثیلی قرار دیا ہے بل کہ سید سلیمان ندوی نے واضح کیا ہے کہ اس سے بہت پہلے امام ابوبکر ابن العربی مالکی بھی اپنی کتاب احکام القرآن میں اسی رائے کا اظہار کر چکے ہیں۔(۶)

۵۔ لونڈی کا مسئلہ

فاضل مضمون نگار اپنے مخصوص اور کاٹ دار انداز میں کہتے ہیں کہ ہمارے متجددین کی خصوصیت ہے کہ جب مغربی مصنفین کے اعتراضات کا سامنا ہو تو ہوش و حواس جاتے رہتے ہیں، اور گھبراہٹ میں کچھ بھی کہہ جاتے ہیں۔ چناں چہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کا نبی ﷺ کی ملک یمین میں آنا مسلمانوں کے علمی ادب میں ایک معروف واقعہ ہے، لیکن شبلی مستشرقین کے اعتراض کا حل یہ نکالتے ہیں کہ واقعے کا سرے سے انکار کر دیا جائے۔ لکھتے ہیں:

۴۔ نعمانی، علامہ شبلی۔ سیرۃ النبی: ج ۱، ص ۱۲۲

۵۔ ایضاً: ص ۱۲۳

۶ ایضاً: ص ۱۲۲

نبی ﷺ نے ماریہ (رضی اللہ عنہا) سے نکاح کیا ہوگا، نہ کہ لونڈی کی حیثیت سے وہ آپ کے حرم میں آئیں۔

فاضل مضمون نگار اپنے اس اعتراض کے حق میں دلیل دیتے ہیں کہ شبلی نے اس دعوے کے حق میں نہ کوئی دلیل پیش کی ہے نہ حوالہ! فقط قیاسی اسلوب بیان کے ذریعے متبادل تاریخی بیان وضع کیا ہے۔

۶۔ تاریخی بیانات میں تساہل

علامہ شبلی پر ایک اور اعتراض جو کہ بادی النظر میں درست معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ علامہ متعدد تاریخی بیانات میں تساہل کا شکار ہوئے ہیں، مثال کے طور پر شبلی نے لکھا کہ غزوہ حنین کے موقع پر مسلمانوں نے تیس ہزار درہم قرض لیا تھا۔ اس کے برعکس جب کہ بخاری کی روایت کے مطابق یہ قرض دس ہزار یا اس سے زائد تھا۔

۷۔ غیر مستند روایات کا تناسب

فاضل مضمون نگار نے ڈاکٹر ظفر صدیقی کی تحقیق کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تحقیق و تفتیش کے بعد یہ حقیقت سامنے آئی کہ سیرۃ النبی میں غیر مستند یا کم مستند روایات کا تناسب کم از کم پچاس یا ساٹھ فیصد ہے۔ سیرۃ النبی کی ڈیڑھ جلدوں (جو کہ شبلی کی اپنی لکھی ہوئی ہیں) میں مرسل، معضل اور منقطع روایات بھی درجنوں کی تعداد میں موجود ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سیرۃ النبی کے بارے میں یہ تاثر کہ اس میں شامل تمام روایات تحقیق و استناد اور محدثانہ صحت کے معیار پر پوری اترتی ہیں، محض حسن ظن پر مبنی ہے۔

۸-دعوے کو ثابت کرنے میں ناکامی

فاضل مضمون نگار نے خلاصے کے طور پر بالکل درست لکھا ہے کہ علامہ شبلی نے کتاب کے استناد کے لیے جن شرائط کے اہتمام کا دعویٰ کیا تھا وہ اس کو پورا نہ کر سکے۔

فاضل مضمون نگار کے درج بالا وہ اعتراضات ہیں جن کے حق میں وہ کسی حد تک دلیل اور ثبوت پیش کرنے میں کامیاب رہے ہیں، لہٰذا علامہ شبلی مرحوم کی سیرۃ النبی پر فاضل مضمون نگار کے درج بالا اعتراضات کو کسی نہ کسی درجے میں تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

اب ہم فاضل مضمون نگار کے مقالے کا ایک دوسرے زاویہ نگاہ سے جائزہ پیش کرتے ہیں کہ کس طرح انہوں نے بعض الزامات واعتراضات علامہ شبلی پر عائد کردیے، لیکن ان الزامات کے ثبوت دینے میں وہ کامیاب نہ ہوسکے۔

۱۔ سیرت النبی کا بنیادی مقصد، مغربی ذوق کی تسکین

فاضل مضمون نگار نے علامہ شبلی کی سیرۃ النبی پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شبلی کی سیرۃ النبی کا بنیادی مقصد اسلام کی ایسی تعبیر اور حیات طیبہ ﷺ کی ایک ایسی تصویر پیش کرنا تھا جو استعمار اور مغرب کے استیلا سے پیدا ہونے والے حالات سے مناسبت رکھتی ہو، مسلمانوں کی ہزار سالہ علمی روایت میں مضمر فساد کی اصلاح کرے اور پس استعمار مسلمانوں کے جدید تعلیم یافتہ طبقات کے نویافتہ مغربی ذوق کے لیے قابل قبول ہو۔ مضمون نگار نے اگرچہ علامہ شبلی کے کام پر کاٹ دار انداز میں تنقید کی ہے لیکن اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو کیا علامہ شبلی نے کوئی غلط کام کیا کہ وہ مسلم طبقات جو مغربی ملحدانہ فکر سے متاثر و مجروح ہوچکے تھے اور جن کا اعتبار سیرت نبوی ﷺ پر ختم ہوتا جارہا تھا ان کے اذہان کو مدنظر رکھتے ہوئے سیرت نبوی ﷺ کا ایک جدید ایڈیشن تیار کیا جائے، تاکہ ایسے بیمار اذہان ایک بار پھر محمد ﷺ کے قدموں کی خاک سے شفایابی پر یقین لے آئیں۔

۲۔ اسلامی روایت کے خلاف بغاوت

فاضل مضمون نگار نے شبلی کا نام لیے بغیر انہیں ان استعماری گروہوں کے رکن کے طور پر شمار کیا ہے جو اسلامی روایت کے خلاف بغاوت اور اس کی جگہ مغربی طرز فکر کو فروغ دینے کی خواہش رکھتے ہیں۔ حیرت ہے کہ اتنا سنگین الزام لگانے کے باوجود فاضل مضمون نگار کوئی ٹھوس نہیں دے سکے۔

۳۔ باطل سے غذا حاصل کرنا

علامہ شبلی پر ایک اعتراض یہ بھی لگایا گیا ہے کہ وہ جس فکری گروہ سے تعلق رکھتے ہیں وہ اسلام سے فکری غذا حاصل کرنے کی بہ جائے باطل سے غذا حاصل کرتے ہیں۔ یہ ایک غیر علمی اعتراض ہے۔ فاضل مضمون نگار کا فرض بنتا تھا کہ اگر علامہ شبلی واقعی باطل سے فکری غذا حاصل کرنے کے دعوے دار

ہیں تو ان کے بیان اور حوالہ جات سے اس کو ثابت کرتے مگر بغیر کسی ثبوت کے کسی پر محض ''منطق'' کے زور پر الزام عائد کر دینا ایک غیر علمی روش ہے۔

۴۔ کم زور روایات کا انکار اور مضبوط روایات کی تاویل

فاضل مضمون نگار کا اعتراض ہے کہ شبلی کی کتاب میں مستشرقین کے اعتراضات سے خاص طریقے سے معاملہ کیا گیا ہے۔ یا تو مورد اعتراض واقعے کا سرے سے انکار کر دیا ہے یا اس کی کوئی تاویل کر کے یہ نوید دی ہے کہ اس کا وہ مطلب نہیں ہے جو مستشرقین کو ناگوار گزرا ہے۔ جزوی طور پر کسی حد تک علامہ شبلی پر یہ اعتراضات کیا جا سکتا ہے لیکن من حیث الکل ان کے پورے کام ہی پر یہ فتویٰ صادر کر دینا سراسر ناانصافی ہے۔ جب کہ ڈاکٹر ظفر صدیقی کے حوالے سے یہ بات سامنے آ چکی ہے کہ علامہ شبلی کم از کم پچاس فیصد تک روایات کی صحت کی شرط کو نبھانے میں کام یاب رہے ہیں۔

۵۔ نااہلی

فاضل مضمون نگار نے اپنے روایتی اسلوب کو اپناتے ہوئے علامہ شبلی پر نااہلی الزام بھی عائد فرمایا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر علامہ شبلی نااہل تھے اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف کے ذریعے انہوں نے جدید اذہان اور مستشرقین کے اعتراضات کا ازالہ کرنے کی کوشش کر کے ایک جرم کا ارتکاب کیا تھا تو پھر علامہ شبلی کے ہزاروں اہل اور فاضل معاصرین کیا کرتے رہے؟ ہندوستان کے مسلمانوں کے دین و ایمان پر حملہ آور غیر ملکی استعمار سے مسلمانوں کے دین و ایمان کو بچانے کی کوشش کرنے والے تو ٹھہرے استعمار کے آلہ کار اور جو لوگ اس ساری لڑائی کی اہلیت رکھنے کے باوجود میدان میں نہیں اترے اور دور بیٹھے خاموشی سے صرف تماشا دیکھتے رہے، ان کی اہلیت کس کام کی؟ فاضل مضمون نگار نے اس اہم نکتے کو نظر انداز کر دیا ہے کہ جب جنگ مسلط کر دی جائے تو پھر مقابلے کی اہلیت سیکھنے کے بہانے میدان جنگ سے فرار بزدلی اور پست ہمتی تو قرار دیا جا سکتا ہے کسی صورت دانش مندی نہیں۔ برصغیر کے مسلمانوں پر جو فکری یلغار مسلط کی گئی، حالات ایسے قاہر و جابر تھے کہ کوئی ایک بھی اہل عالم دین اس فکری یلغار کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں نہیں نکل سکا۔ اس شدید ہزیمت اور مایوسی کے تناظر میں اگر علامہ شبلی جیسے دردمند مسلمان ایک مخصوص میدان میں استعمار کی فکری یلغار سے مقابلے کی ٹھانیں تو

انہیں ان کے اپنے نااہل اور استعمار گماشتے ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگادیں۔ یہ عمل کیسے مناسب قرار دیا جاسکتا ہے؟ اور کس طرح اس کی تائید ہم جسوں کے لیے ممکن ہے؟

۶۔ علمی دیانت کا فقدان

فاضل مضمون نگار لکھتے ہیں:

> اسی طرح سیرت النبی لکھتے ہوئے شبلی کو بھی روایت و درایت کے نئے اصولوں کی ضرورت محسوس ہوئی ہے، گوان کے ہاں اس ضرورت کو بیان کرنے میں سرسید والی علمی دیانت داری نہیں پائی جاتی۔

اتنا سخت الزام عائد کرنے کے باوجود موصوف کوئی خاطر خواہ ثبوت فراہم نہیں کرسکے۔ حال آں کہ اصول یہ ہے کہ جتنا سنگین الزام ہو اتنا ہی پختہ اور موثق ثبوت بھی فراہم ہونا چاہیے۔ دوسرے لفظوں میں بڑے جرم کے الزام بھی بڑے ثبوت ہی کا تقاضا کرتے ہیں۔

۷۔ انکار حدیث کی روایت سے تعلق

فاضل مضمون نگار نے علامہ شبلی مرحوم کا تعلق خواہ مخواہ انکار حدیث سے جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ اور وہ شدومد سے اصرار کرتے ہیں کہ شبلی کے تصنیفی کاموں کے نقوش، مسلمانوں کی ٹھیٹھ علمی روایت کی بہ جائے، مستشرقین کی تحریروں، مغربی استعمار کے مقاصد، سرسید احمد خاں کے نظریات اور تجدد کی عقلی تحریک کے ہاتھوں متعین ہوئے ہیں۔ لیکن دوسرے بہت سے دعوں کے ساتھ مضمون نگار اپنے ان دعاوی کے بھی ٹھوس ثبوت فراہم کرنے میں کام یاب نہیں ہوسکے۔

۸۔ مستشرقین کے آگے ہتھیار ڈالنا

فاضل مضمون نگار کا دعویٰ ہے کہ شبلی نے مستشرقین کے آگے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ لیکن حسب معمول دیگر سنگین الزامات کی طرح اس الزام کا بھی سوائے دلیل خطابت کے اور کوئی ثبوت فراہم نہیں کرسکے۔

۹۔ سیرت کی تصویر مسخ کرنا

شبلی پر ایک سنگین الزام یہ عائد کیا گیا ہے کہ انہوں نے مغرب کے مقابل منفعل طبعیت کے نتیجے میں سیرت کی تصویر کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔ شبلی پر عائد کیا جانے والا یہ الزام بھی ثبوت سے عاری ہے۔

۱۰۔ دین کی بنیادوں کو منہدم کرنا

فاضل مضمون نگار شبلی سے پہلے سر سید احمد خاں اور ان کے بعد کے منکرین حدیث کی تمام گم راہیوں کو بھی شبلی کے کھاتے میں ڈالتے ہیں اسے دبستان شبلی کا عنوان دے کر وہ اعلان کرتے ہیں:

اسی قسم کے اعتراضات کو کام میں لاکر دین کی نہ جانے کتنی ہی بنیادوں کو منہدم کیا"۔ یہ ایک نہایت غیر علمی اور جانب دارانہ طرز تحقیق ہے کہ ان تمام لوگوں کی گم راہیوں کو کسی صاحب علم کے کھاتے میں محض اس وجہ سے ڈال دیا جائے کہ ان صاحب علم کا ان گم راہ لوگوں سے رسم و راہ رہی ہے۔ ہماری رائے میں فاضل مضمون نگار نے محض جذبات نگاری کے ذریعے غلط نتائج اخذ کرنے کی کوشش کی ہے۔

۱۱۔ صحیح بخاری کی روایات کا انکار

زیر بحث مضمون میں شبلی کی ایک عبارت پیش کی گئی ہے:

> عالم ملکوت کے واقعات اور مشاہدات ہر شخص ادا نہیں کر سکتا۔ آں حضرت نے جو کچھ دیکھا، جن الفاظ میں ادا فرمایا، اس کو راوی نے کس طرح سمجھا؟ کیوں کر ادا کیا؟ پھر درجہ بہ درجہ راویوں تک آتے آتے کیا تبدیلیاں ہوگئیں؟ اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ یہ خدانہ خواستہ رواۃ کی شان میں بدگمانی نہیں، بل کہ اقتضائے حالت ہے۔

شبلی کا یہ بیان الہلال میں شائع ہوا تھا۔ شبلی کے اس بیان پر فاضل مضمون نگار سخت محاسبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث و سیر کے ایک متفق علیہ بیان کو اس طرح کی سطحی تنقید کا نشانہ بنایا جائے اور واقعے کا انکار کرنے کے لیے علم حدیث کا ایسا بے محل اور غیر علمی اطلاق کیا جائے جس کے نتیجے میں مسلمانوں کا فن جرح و تعدیل ایک مذاق بن کر رہ جائے۔ ہماری رائے میں مضمون نگار کے دلائل علامہ شبلی پر یہ الزام ثابت کرنے میں کام یابی حاصل نہیں کر پاتے کہ وہ بخاری کی روایات کے انکار کو درست روش سمجھتے تھے۔

۱۲۔ استشراقی واستعماری علوم کو قرآن وسنت کے عنوان سے قبول کرانا

فاضل مضمون نگار کا ایک اور الزام علامہ شبلی پر یہ ہے:

اس کا طریقہ یہی ہو سکتا تھا کہ استشراقی علوم اور استعماری جدت طرازی سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے، اسے عین اسلام کے مسلمات کے طور پر پیش کیا جائے، لیکن استعماری علوم کو قرآن وحدیث کے مذہبی لبادے میں پیش کیا جائے اور استشراقی مصنفین کا حوالہ نہ دیا جائے۔ کیوں کہ اس احتیاطی تدبیر کے بغیر مستشرقین کے دینی نظریات کی کڑوی گولی مسلمانوں کے گلے سے اتارنا آسان نہ تھا۔

فاضل مضمون نگار کا درج بالا الزام بھی محض رنگ آمیزی اور ان کے غالی نقطہ نظر کی غمازی کرتا ہے، اپنے الزام کو ثابت کرنے کے حق میں کوئی دلیل اور ثبوت پیش کرنے میں وہ ہر طرح ناکام رہے ہیں۔

۱۳۔ چربہ سازی

فاضل مضمون نگار الزام عائد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

شبلی کی کوشش رہی ہے کہ اپنی فکر پر سرسید احمد خاں کے تشکیلی اثرات کو چھپائیں اور علی گڑھ کی جدت کو اسلام کے رنگ میں پیش کریں۔ یہ قیاس نہیں ہے، بل کہ اس کی تاریخی شہادت موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شبلی کے ہاں آخذ کو چھپانے کی ایک یہی مثال نہیں ہے، بل کہ سیرت النبی کی تصنیف میں اس کی اور مثال بھی ملتی ہے۔

قابل غور مقام ہے کہ کس قدر سنگین الزام عائد کیا جارہا ہے اور دلیل وثبوت میں جو حوالہ پیش کیا گیا اسے محض قیاس آرائی کے ذریعہ ہی کھینچ تان کر اس سنگین الزام کو ثابت کیا جاسکتا ہے۔

۱۴۔ نقل کفر کفر نباشد

اس عنوان کے تحت فاضل مضمون نگار شبلی کی درج ذیل عبارت کو کفریہ عبارت ثابت کررہے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس خواب کو عینی خیال کیا اور بعینہ اس کی تعمیل کرنی چاہی گو یہ خیال اجتہادی غلطی تھی۔

علامہ شبلی کے اس بیان سے اختلاف کیا جاسکتا ہے، اسے غلط بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس عبارت کو کفریہ عبارت کے ذیل میں بیان کرنا ایک صریحی غیر علمی حرکت ہے۔

۱۵۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں سے سرکشی

علامہ شبلی کے درج بالا بیان ہی کو بنیاد بناتے ہوئے فاضل مضمون نگار نے لکھا ہے:

اللہ کے پیغمبر اور خود اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے مقابلے میں سرکشی کی یہ ایک افسوس ناک مثال تھی۔

کیا کوئی صاحب فہم و صاحب علم آدمی محض ایک معمولی فروگزاشت اور علمی غلطی پر ایسا سخت اور انتہائی تحکم لگا سکتا ہے۔ اس اسلوب سے فاضل مضمون نگار کی ثقاہت سخت مجروح ہوئی ہے۔

۱۶۔ دین کو مسخ کرنا

علامہ شبلی پر نقد کے تناظر میں فاضل مضمون نگار لکھتے ہیں کہ متجددین نے قرآن مجید اور حدیث پاک میں تاویل کا عبرت ناک باب کھولا، اور دین کو مسخ کرکے رکھ دیا۔ جیساکہ ہم نے سابقہ سطور میں بھی توجہ دلائی ہے کہ اس طرح بغیر دلیل اور حوالے کے محض نثری خیال آرائی کے ذریعے سے دوسروں پر اتہام و الزام ثابت کرنے کی کوشش کرنا ایک غیر علمی طریق کار ہے۔ اگر علامہ شبلی نے دین کو مسخ کیا ہے تو اس سنگین جرم کا ٹھوس اور ناقابل انکار ثبوت فراہم کرنا الزام عائد کرنے والی کی ذمے داری بنتی ہے۔ لیکن فاضل مضمون نگار یہ ذمے داری پوری کرنے میں ناکام نظر آتے ہیں۔

۱۷۔ سرسید و قادیانی گم راہی کا تسلسل

زیر بحث مضمون میں علامہ شبلی کی سیرت النبی کی کاوش کو بالواسطہ طور پر سرسید اور مرزا غلام احمد قادیانی کی گم راہیوں کے تسلسل کی ایک کڑی قرار دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ مضمون نگار لکھتے ہیں:

سرسید احمد خان، مرزا غلام احمد قادیانی، اور مولوی چراغ علی نے اقدامی جہاد کا انکار کردیا تھا اور محض دفاعی جنگ کا جواز باقی رکھا تھا۔ شبلی بھی اسی سلسلہ پر معذرت کی ایک کڑی ہیں۔

علامہ شبلی کے غزوہ بدر پر مبنی بیان کو معذرت خواہانہ تاویل پر مبنی بیان قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس حد تک اختلاف ایک علمی اختلاف ہے۔ لیکن ایک سخت مخالف اور انتہائی نتائج نکالنے والا ذہن محض اس حد تک مطمئن کیسے ہوسکتا تھا، جب تک کہ وہ بدترین نتائج نکال کر نہ دکھادے۔ چناں چہ اس مقام پر بھی علامہ شبلی کی علمی کاوش کو بدترین ثابت کرنے کے لیے انہیں سرسید اور مرزا غلام احمد قادیانی کی گم راہیوں کی ایک کڑی کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

۱۸۔ معجزات پر شرمندگی

شبلی پر الزام عائد کیا جاتا ہے کہ وہ معجزات کے منکر تو نہیں لیکن ان کو بیان کرنے سے احتراز کا داعیہ ان کے ہاں موجود ہے۔ کیا علمی دنیا میں ایسے اعتراض کی کوئی وقعت ہوتی ہے؟ کیا قرآن حکیم نے نبی اکرم ﷺ کے معجزات کو بیان کیا ہے؟ تو کیا قرآن پر بھی وہی الزام عائد کیا جاسکتا ہے جو علامہ شبلی کی سیرت النبی پر عائد کیا جارہا ہے۔ برصغیر کی علمی فضا جہاں سیرت کے معجزات کے بیان ہی کو بیان سیرت کے لیے کافی سمجھا جاتا تھا، حال آں کہ معجزات کا بیان اپنے اندر کوئی عملی دعوت پیش نہیں کرتا۔ بل کہ معجزات تو ہوتے ہی وہ ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کرسکتا ہے اور بندوں کا ایسے خارق عادات واقعات کو ظہور میں لانا ناممکن ہوتا ہے۔ کیا سیرت محض خارق عادات واقعات کے بیان کا نام ہے؟ یا نوع انسانی کے لیے عمل اور کام یابی کا ایک کامل نمونہ اور اعلیٰ ترین عملی پروگرام ہے؟ اگر علامہ شبلی نے اسی دوسری بات کو اپنی سیرت النبی میں ترجیح دی تو اس پر اعتراض سمجھ سے بالاتر ہے۔

۱۹۔ پیغمبرانہ فہم کو کم تر سمجھنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کی تعبیر کے حوالے سے علامہ شبلی کی فروگزاشت پر فاضل مضمون نگار نے ایک تحکم یہ بھی صادر کیا ہے کہ وہ اپنی عقل و فہم کو پیغمبروں کے فہم پر ترجیح دینے کی سنگین غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ زیر بحث موضوع پر علامہ شبلی کے مختلف فیہ بیان پر اس حد تک سنگین الزام عائد کرنا سوائے انتہاپسندی کے اور کچھ نہیں کہلاسکتا۔ حال آں کہ اسی مقالے میں ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی کے حوالے سے شبلی کے اس بیان کے بارے میں یہ اظہار موجود ہے:

مولانا شبلی نے "قربانی کی حقیقت" کے سلسلے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، اس سے ان کا مقصد مخالفین اسلام کے اس اعتراض سے بچنا تھا کہ مسلمانوں کی قربانی کی رسم، اولاد کو بھینٹ چڑھانے کی، بت پرست قوموں کی رسم کے مشابہ ہے۔ کیا اس وضاحت کے ہوتے ہوئے بھی وہ سنگین الزامات عائد کیے جاسکتے ہیں جو موصوف نے عائد کیے ہیں؟

۲۰۔ سیرت النبی ﷺ کے اہم اور غیر اہم واقعات

فاضل مضمون نگار نے ظفر صدیقی صاحب کے مقالے سے استفادہ کرتے ہوئے علامہ شبلی پر کسی حد تک یہ اعتراض ثابت کیا ہے کہ علامہ شبلی نے سیرت کے صرف ان واقعات کو اہمیت دی جن پر مستشرقین نے اعتراضات کیے تھے۔ جب کہ دیگر واقعات کو علامہ شبلی نے غیر اہم قرار دے دیا۔ فاضل مضمون نگار کے اعتراض کا جائزہ اگر اس نقطہ نظر سے لیا جائے کہ کیا سیرت کے واقعات کو مستشرقین کے نقطہ نظر سے دیکھا جانا چاہیے؟ اور کیا ان واقعات کی اہمیت بھی مستشرقین ہی متعین کریں گے؟ تو ان سوالات کا جواب سوائے نفی میں اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن اگر منظر نامہ یہ ہو کہ دنیا کی غالب سیاسی، معاشی، اور علمی و فکری تہذیب کی توپوں کا رخ اگر مسلمانوں کے ایمان و دین کی جڑیں کھودنے کے لیے ان کے نبی ﷺ کی سیرت کے منتخب موضوعات و واقعات کی طرف ہو چکا ہو، اور وہ سیرت کے بعض منتخب موضوعات پر شدید گولہ باری کر رہے ہوں اور جن نکات کے ذریعے سیرت نبوی ﷺ کو مسلمانوں کی نظروں میں تہس نہس کرنے اور ان کا اپنے نبی ﷺ سے محبت، عقیدت اور والہانہ لگاؤ کے تعلق کو برباد کرنے پر اہل مغرب زور لگا رہے ہوں، سیرت کے ان واقعات، ان موضوعات اور ان نکات کا دفاع کرنا، ان کا جواب دینا اور ان پر اپنی توجہات کو خاص طور پر مرکوز کرنا کیسے جرم قرار دیا جاسکتا ہے؟

اس خاص دفاعی جنگ میں یہ ہوسکتا ہے کہ سیرت کے بعض خاص موضوعات جن کی اسلام اور سیرت نبوی ﷺ میں بہ ظاہر ثانوی اہمیت ہو وہ ان مباحث کی وجہ سے اولین اہمیت کے حامل مضامین محسوس ہونے لگیں۔ لیکن فکری حملوں کے اس میدان جنگ میں مسلمانوں کی طرف سے دفاع کرنے والے کسی سپاہی کو یہ کہنا کہ انہوں نے اسلام کی سلطنت کے اہم اور غیر اہم حصوں کی تقسیم اس سلطنت پر حملہ آور قوتوں کی پسند کے مطابق کی ہے ایک غالی رد عمل ہے۔ دفاع کرنے والا سپاہی تو اسلام کی سلطنت کے ان ہی حصوں کے دفاع پر اپنی صلاحیتوں کو کھپائے گا، جن حصوں پر دشمن حملہ آور ہوگا

چاہے اسلامی سلطنت کے وہ حصے بہ ظاہر کتنے ہی کم اہم کیوں نہ ہوں، جب کہ اسلامی سلطنت کے جو حصے بہت زیادہ اہم ہونے کے باوجود دشمن کے حملوں سے محفوظ ہیں اور دفاع کرنے والا سپاہی ان اہم تر محفوظ حصوں کی حفاظت کے بارے مطمئن ہے تو اس میں بھلا الزام کا پہلو کیسے نکل سکتا ہے؟

فاضل مضمون نگار نے جناب ظفر صدیقی کے مقالے سے ایک اقتباس اپنے نکتۂ نظر کی تائید کے لیے پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> اس صورت حال کی بنا پر سیرۃ النبی کی تحقیقی حیثیت یقیناً مجروح ہوئی ہے۔ پھر اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز یہ اصول ہے کہ جن واقعات پر معاندین اسلام نے کوئی اعتراض کر دیا ہوانہیں اہم قرار دیا جائے اور بقیہ واقعات غیر اہم سمجھے جائیں، کیوں کہ کسی واقعے کی اہمیت خود اس واقعے پر مبنی ہے نہ کہ کسی معترض کے اعتراض پر۔

درج بالا اقتباس میں ایک درست بات کو ایک غلط محل وقوع میں منوانے کی کوشش کی گئی ہے اور پھر الفاظ کے چناؤ میں بھی معروضیت کی بہ جائے موضوعیت کا عمل دخل زیادہ ہے۔ علامہ شبلی کے بیان میں "اہم" اور "غیر اہم" کے الفاظ استعمال نہیں ہوئے بل کہ "کسی قدر اہم" اور "عام" واقعات کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اب "عام" کے لفظ کو "غیر اہم" کے لفظ سے بدل دینا ذہن کی ایک خاص موضوعی حالت کو ظاہر کرتا ہے۔ جو معترض کی اپنی خود ساختہ ہے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ہر غیر اہم چیز عام ہو لیکن ہر عام کو غیر اہم قرار دینا ایک غیر علمی استدلال ہے۔ ہم بار دگر عرض کرنا چاہیں گے کہ کسی سلطنت کی کسی خاص جنگ میں خاص اوقات میں اسی سلطنت کے بعض کم اہم علاقے بھی بے پناہ اہمیت اختیار کر جاتے ہیں، اب اس خاص جنگ کے خاص اوقات میں اسی سلطنت کے نسبتاً کم اہم علاقوں پر حملہ آور قوتوں کا مقابلہ کرنے سے اگر کوئی سپاہی اس لیے گریز کرے کہ یہ علاقے ہیں تو کم اہم، لہٰذا ان کے دفاع میں کوئی خاص تگ و دو کرنا فضول ہوگا تو کیا اس سپاہی کی اس سوچ کا دنیا کا کوئی بھی عقل مند آدمی حمایت کر سکتا ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ سپاہی کی اپنے وطن کے ساتھ وفاداری اور محبت کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ دشمن نے وطن کے جس حصے پر بھی حملہ کیا ہے اور چاہے وہ حصہ کتنا ہی کم اہم کیوں نہ ہو، سپاہی وطن کے اس حصے کو اہم ترین قرار دے کر اس کے دفاع کے لیے تن من دھن لگا دے۔ اس تناظر میں جب ہم فاضل مضمون نگار کے زیر بحث اعتراض کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ ایک لغو اور لایعنی اعتراض ثابت ہوتا ہے۔

اختتامی تجزیہ

درج بالا نکات کے علاوہ اس زیر بحث مقالے کے چند نکات ایسے ہیں جن پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔

۱۔ ناقص تنقیدی جائزہ

فاضل مضمون نگار نے علامہ شبلی کی سیرت النبی کا ناقص اور موضوعی تجزیہ پیش کیا ہے۔ کیا یہ حیران کن بات نہیں ہے کہ بیسویں صدی کے تباہ کن اور حوصلہ شکن حالات میں سیرت پر ایسی کتاب تیار کرنا جو سیرت پر حملہ آور عالمی مغربی طاقتوں کے فکری ہراول دستوں (مستشرقین) کے پے بہ پے زہرناک حملوں کے مقابلے کی غرض سے لکھی گئی ہو، اس کی خوبی میں مقالہ نگار اپنے پورے مقالے میں ڈاکٹر ظفر صدیقی کے حوالے سے صرف دوسطری تعریف ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں:

شبلی کا اسلوب بیان موثر اور ان کا شعور آگہی مؤرخانہ ہے۔ اس کے علاوہ ان کے سلیقہ تحریر و تصنیف اور عالمانہ طرز تخاطب کو خراج عقیدت پیش کیا ہے اور مثالیں دے کر بتایا ہے کہ شبلی نے اپنی کتاب میں مستشرقین کے ابطال پر خصوصی توجہ دی ہے۔

شبلی کی سیرت النبی پر فاضل مضمون نگار کی یہ دوسطری تعریف بدترین الزامات، اعتراضات اور اتہامات سے چاروں طرف سے گھری ہوئی ہے۔

۲۔ شبلی کی سیرت النبی کی اصل خوبی

علامہ شبلی کی سیرت النبی پر کتاب کی اصل خوبی وہ ہے جسے فاضل مضمون نگار نے ایک اعتراض اور ایک اتہام بنا کر ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> مستشرقانہ دل چسپی کے حامل موضوعات کی جو فہرست شبلی نے دی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شبلی کے پیش نظر سیرت کی معروضی تحقیق نہیں تھی، بل کہ استعمار سے پیدا ہونے والے بعض مسائل کے بارے میں ایک جدید علم الکلام پیش کرنا مقصود تھا، جس کے لیے سیرت النبی کی تصنیف ایک ذریعہ بن گئی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ "استعمار سے پیدا ہونے والے مسائل کے (حل کے) بارے میں ایک جدید علم الکلام پیش کرنا" جرم کیسے ہو گیا؟ یہ بات تو کی جاسکتی ہے کہ علامہ شبلی نے فلاں فلاں معاملے میں ٹھوکر کھائی ہے، فلاں معاملے میں ان کا موقف نہایت کمزور اور مستند روایات وکلیات کے خلاف ہے۔ لیکن استعمار سے پیدا ہونے والے مسائل سے نبٹنے کے لیے کسی کاوش ہی کو مورد الزام قرار دینا قطعاً علمی انداز فکر نہیں کہلایا جاسکتا۔

۳۔ اسلاف سے الگ راستہ

آخر میں ہم فاضل مضمون نگار کے اس اصول سے بحث کرنا چاہتے ہیں، جس کا ذکر ہم نے شروع میں کیا تھا کہ سید سلیمان ندوی نے ان تمام آراء سے رجوع کرنے کا اعلان کیا جہاں انہوں نے اسلاف سے الگ راستہ اختیار کیا تھا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلاف کے راستہ کی ایسی تعریف کون متعین کرے گا کہ جس سے سر موانحراف بھی اسلام سے انحراف قرار دیا جائے۔ اگر مستشرقین کے سیرت پر اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش کرنا ہی ایسا جرم ہے جس پر اسلاف سے الگ راستہ اختیار کرنے کا الزام لازم آتا ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ اسلام کی پوری تاریخ ہی سلف سے انحراف کی تاریخ ہے۔ کیا شبلی مستشرقین کی طرف سے وارد ہونے والے زہرناک اعتراضات کا نوٹس نہ لیتے؟ اور مستشرقین کے زہر کا تریاق کرنے کے لیے اپنے تئیں کوئی کوشش ہی نہ کرتے؟ کیا علامہ شبلی کے علاوہ کسی اور نے بھی سیرت طیبہ پر مستشرقین کے بدترین الزامات کا جواب اسلام کے محکمات سے تمسک کرتے ہوئے دینے کی کوشش کی؟ یہ تمام سوالات فاضل مضمون نگار کی سوچ اور معروضیت پر سوالیہ نشان کھڑے کر دیتے ہیں۔